کلامِ غالب میں 'رقیب'

ڈاکٹر محمد آصف زہری

Abstract:

There is a triangle of characters in tradition of persian and urdu ghazal and RAQEEB plays a key role in this story.this character is found only in islamic culture and there is no such concept in any other cultural domain. Ghalib is an important figure of classicle urdu ghazal.concept of RAQEEB in his poetry is very different from whole tradition of ghazal.it is a notable point that RAQEEB is not a dynamic character in his poetry.it is emerged not for emotions of jelousy but just to express love with beloved.

کلاسیکی اردو غزل کی تصوراتی دنیا، بالعموم چار قسم کے کرداروں سے تشکیل پاتی ہے۔ اوّل: محبّ، عاشق یا واحد متکلم جو بالعموم درویش صفت، منکسر المزاج، بے چارگی کی منہ بولتی تصویر ہونے کے ساتھ ساتھ رند شاہد باز بھی ہوتا ہے۔ دوم: محبوب، معشوق خوباں، صنم، بت، کافر، ساقی، دوست، یار، دلبر، دلدار، دشمن، قاتل، جوشگر، ظالم اور سنگدل ہوتا ہے۔ سوم: رقیب، غیر، دوست، نامہ بر، قاصد یا دربان جو بالعموم خائن اور بے ایمان ہوتا ہے۔ چہارم: ناصح، واعظ، محتسب جو اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں۔ مزید تخصیص برتی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ محبت کی تثلیث یعنی عاشق، معشوق اور رقیب کے کردار (۱) غزل کی تخلیقی بساط کے مرکزی مہرے ہیں۔ واعظ اور ناصح کو اس لیے نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ بسا اوقات وہ بھی عاشق یا رقیب کے متبادل بن جاتے ہیں۔ عاشق اور معشوق کے لیے متبادل الفاظ کم و بیش تمام تر ادب میں موجود ہیں لیکن رقیب جیسی اصطلاح اسلامی تہذیب سے متاثرہ ادب و ثقافت مثلاً اردو، پشتو، ترکی، فارسی اور عربی شاعری سے ہی مختص ہے۔ ہندی اور سنسکرت میں، مخصوص ثقافتی تصورات کے سبب اس کے لیے کوئی مخصوص لفظ نہیں ہے۔ ہاں کرشن سے منسوب گوپیوں کے علی الرغم، رقیب عموماً مذکر ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ جنس کے اس الجھاؤ اور ابتری کے پس پشت پردہ داری، ثقافتی تصورات اور ادبی مفروضات ہوں۔ تاہم غالب کے یہاں بھی، ایک بار ہی سہی، رقیب کے لیے تذکیر یا جنس کی قید ختم ہو جاتی ہے۔ پر لطف کی

بات یہ ہے کہ یہاں رقیب نہ صرف مونث ہے بلکہ جنسی مماثلت کے علاوہ گوپیوں کے مانند ان کی تعداد بھی ایک سے زائد نظر آتی ہے:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

مگر مذکورہ بالا تلمیحی شعر میں شاعر نے اپنے رقیبوں کے بجائے زلیخا کے رقیبوں کا ذکر کیا ہے۔ جہاں عاشق اور رقیب دونوں مؤنث ہیں اور معشوق مذکر۔لیکن کلاسیکی غزلیہ کائنات میں ایسی مثالیں نایاب تو نہیں، کمیاب ضرور ہیں ۔ہاں اگر لفظ 'خوباں' کو صنف مذکور سے مختص تصور کر لیا جائے تو غالب کے درج ذیل شعر میں رقیب مؤنث ہو سکتا ہے:

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں تکلف برطرف! مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

تذکیروتانیث سے قطع نظر، تصورات غزل کے مطابق حسنِ محبوب یا نورِ محبوب متقاضی ہے کہ اس کے عشاق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔ دوسرے لفظوں میں متعدد عاشق 'ہوں رقیبانہ بہم دست و گریباں'۔ (۲) غالب نے بھی ان رسومیات کا پاس رکھتے ہوئے رقیب کو بطور جمع بھی استعمال کیا ہے:

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو اک تماشا ہوا ، گلا نہ ہوا

عین ممکن ہے کہ تثلیثِ عشق کے دیگر کرداروں کے مانند رقیب بھی ابتداً ایک سماجی کردار رہا ہو، کیوں کہ حکیم سنائی غزنوی (۳) نے اسے (غزل) سماجی صنف کے طور پہ متعارف کروایا تھا۔(۴) ایران اور ابراہیم غزنوی کے عہد کی تاریخ، نیز مغلیہ عہد کو ذہن میں رکھ کر کلاسیکی فارسی اور اردو غزل کے مطالعے سے گمان گزرتا ہے کہ یہ لفظ زاہد خشک کے علاوہ کسی بادشاہ کے دربار سے وابستہ امرا و روسا کی باہمی رقیبانہ چشمک کے لیے بھی موزوں تھا۔ جیسا کہ این میری شمل لکھتی ہیں:

> "The 'rival' and the 'reproacher', so closely associated with the love drama, fit as well into the scenery of court-intrigue, or they could represent the dry-as-dust theologians and lawyer-divines who, fettered by the chains of tradition, envy the lover who dares to sign of the mystery of intoxicated love. (5)

عربی اور فارسی میں یہ لفظ تثلیث عشق سے وابستہ ہے جب کہ انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں میں اس کے لیے Rival, Competitor جیسے الفاظ مستعمل ہیں، جن میں مثلث عشق کے ایک کردار کی شناخت کے برعکس 'مدمقابل' یا 'دشمن' کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں میں مستعمل اس نوعیت کے لفظوں میں رقیب کے معنی ومفہوم یا تو مرکبات یا پھر مخصوص سیاق کے زائیدہ نظر آتے ہیں اور مجرد شکل میں استعمال ہونے پر ان لفظوں میں رقیب جیسی وسعت کے بجائے 'دشمن اور حریف' کے متبادل یا محدود مفاہیم پائے جاتے ہیں۔ ہاں عربی، فارسی اور ان سے متاثر زبان وادب میں لفظ 'رقیب' جذبہ محبت کی مانند وسیع، نفرت ومحبت کے قطبین پہ محیط نظر آتا ہے۔

لفظ ''رقیب'' ذات باری کے صفاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ رقیب، مشتق 'رقیب یرقب' سے جس کے لغوی معنی ہیں نگہبان، پاسبان، محافظ، نگران یا نظر رکھنے والا۔ مثلاً ''وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْب'' (۶) (تم بھی انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں)، ''اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ'' (۷) (مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے)، ''لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً'' (۸) (بمعنی پاس رکھنا۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا)۔ اسی طرح جوا کھیلنے والوں کے محافظ اور نگراں، چوں کہ بازی پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اس لیے عربی میں انھیں بھی ''رقیب'' کہا جاتا ہے۔ گویا ''رقیب'' کا مطلب ہے پوری رقابت اور حریفانہ روش کے ساتھ کسی پر نظر رکھنا اور نگرانی کرنا۔ اسی توسط سے یہ لفظ ہم پیشہ، حریف کے لیے بھی مستعمل ہے۔ اصطلاحاً ایک معشوق کے متعدد عاشقوں میں سے کوئی ایک عاشق بھی مراد لیا جاتا ہے۔ جس کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ اگر کسی عاشق صادق کی راہ میں کوئی دوسرا ایسا شخص جو اُس عاشق صادق کے محبوب کو چاہتا ہو، اس پر کڑی نظر رکھتا ہو اور اس کی پوری بیداری اور تندہی کے ساتھ نگرانی کرتا ہو تو وہ ''رقیب'' ہے عاشق صادق کا۔ جیسے کہ عرب کے مشہور شاعر قیس کے کلام سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

لَئِن کَثُرَتْ رُقَّابُ لَیْلٰی فَطَالَمَا لَهُوتُ بِلَیْلٰی مَالَهُنَّ رَقِیْبُ

(ترجمہ: اگر چہ لیلیٰ کے بہت سارے رقیب ہیں۔ مگر میں تو لیلیٰ سے محبت کرتا ہوں کہ تا آنکہ
اس کا کوئی رقیب باقی نہ رہے۔)

قیس کا مذکورہ بالا شعر کو بددعا یا رقیب سے عداوت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی جذبہ رقابت اور عداوت کو ظاہر کرنے لیے متعدد شعرا نے 'رقیب' کے لیے 'رقیب روسیاہ'، 'خنزیر' اور 'کتا' (۱۰) جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے، لیکن غالب اپنے جذبہ رقابت کے اظہار کے لیے، اپنے مکمل اردو دیوان میں کہیں بھی رقیب کی بدصورتی کا ذکر کرتے، سوائے ایک شعر کے:

نقشِ نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

یہاں بھی براہِ راست رقیب کی بدصورتی کے ذکر کے بجائے رقیب اور معشوق کا مقابلہ مقصود ہے۔ 'حور کے بغل میں لنگور والی بات ہے۔ جو قرائن غزل کے عین مطابق ہے کہ حسین سے حسین تر چہرہ بھی حسنِ محبوب کے مدمقابل روکھا پھیکا محسوس ہوتا ہے۔ ہاں! رقیب کی تکلیف دہ عادتیں یا منفی صفات کا تذکرہ متعدد اشعار میں ملتا ہے۔ مثلاً رقیب عاشقِ صادق کے بجائے بوالہوس ہوتا ہے۔ (۱۱) وہ عشق سے بے بہرہ اور لذتِ زخم سے نا آشنا ہوتا ہے۔ (۱۲) اسے محبوب کی عزت کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا اور اپنی حرکتوں سے محبوب کی بدنامی کا سبب بنتا ہے یا بن سکتا۔ (۱۳) وہ اس قدر بدخصلت ہوتا ہے کہ اس کی صحبت سے، متعدی امراض کے مانند، بری عادتیں لگ جاتی ہیں۔ لہٰذا معشوق میں اگر کچھ معیوب عادتیں پیدا ہو گئی ہیں تو وہ بھی رقیب کی صحبت بد کا اثر ہے:

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

اس قبیل کے اشعار سے گمان گزرتا ہے کہ ''رقیب کا کردار'' محبوب کا تہمت سے بچانے نیز رقیب سے

روایتی دشمنی کو نبھانے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ اور ایسا ہو بھی کیوں نہ، کہ مجنوں عشق لیلیٰ میں ہاتھ میں انگارے پکڑے ہوئے جب کہ رقیب: ورد اس کی شبنمی زلفوں سے محظوظ ہونے کا علی الاعلان اعتراف کر رہا ہے۔ (۱۴) دوسرے لفظوں میں معشوق کی تمام تر عنایتوں سے عاشق صادق کے بجائے رقیب سرشار ہو رہا ہے۔ یہ صورت حال غزلیہ تصورات کے عین مطابق ہے لیکن غالب کے مطابق یہ تعلق، اعلانیہ ربط ورد و لیلیٰ کے برعکس، ربط در پردہ ہے (۱۵) اور عاشق اس ربطِ نہانی کو اس لیے نظر انداز کر دینا چاہتا ہے کہ محبوب کی پرسش سے ہی کہیں محروم نہ ہو جائے۔ (۱۶) لیکن دبی زبان میں شکایت بھی کرتا رہتا ہے کہ:

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز　　　میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

تثلیث عشق کے ان کرداروں کے باہمی روابط و تعلقات بہت ہی پیچیدہ ہیں۔ عاشق معشوق پر فریفتہ ہے لیکن معشوق عاشق کا ایسا دشمن ہے کہ اس کی عداوت میں وہ 'غیر' یعنی رقیب کو بھی کھو دیتا ہے۔ (۱۷) دوسری جانب عاشق رقیب کو ناپسند کرتا ہے ہر چند کہ بہ سبیل شکایت ہی رقیب کا ذکر کیوں نہ ہو (۱۸) لیکن اسے یہ بھی گوارا نہیں۔ وہ رقیب سے اس قدر رنالاں ہے کہ مرضِ عشق محبوب 'میں مبتلا ہونے کے باوجود خود کو' کشتہ دشمن' یعنی کشتہ رقیب قرار دیتا ہے۔ (۱۹) شاید اسی وجہ سے، کسی بھی صورت، وہ زیرِ بارِ احسانِ رقیب نہیں ہونا چاہتا۔ (۲۰) تاہم طوعاً و کرہاً ہی سہی، اسے بار بار، جذبہ دل سے مجبور ہو کر، درِ رقیب پر جانا پڑتا ہے۔ یہ عمل اتنا شاق گزرتا ہے کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ ''اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں''۔ (۲۱) لیکن وہ رقیب ہی کیا؟ جس سے تعلقات منقطع ہو جائیں جس کے خوف سے نجات مل جائے۔ چناں ہجر (۲۲) ہو یا وصال (۲۳) دونوں ہی صورتوں میں خوف رقیب عاشق کا پیچھا نہیں چھوڑتا، مزید براں رقیب ہے کہ اپنے اعمال سے ہمیشہ محبّ کا قافیہ تنگ کرتا رہتا ہے:

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اس کے ہجر میں　　　بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غم خوارِ دوست

تا کہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک　　　مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ رقیب کی تمام ناپسندیدہ عادتوں، اس کے دل جلانے والی فطرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کلام کا کردار 'عاشق اپنی تمام تر عداوت اور رقابت کے باوجود محبوب کو 'رقیب' سے ملنے کی مشروط اجازت دیتا ہے۔ (۲۴) نیز اس کے جرمِ فریفتگی کا جواز حسن محبوب کی تابناکی میں تلاش کرتا ہے اور اسے رقیب کی بشری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے اس کے تئیں جذبہ ہمدردی بھی رکھتا ہے:

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کہیے　　　ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے

کلامِ غالب میں یہ ساری رقیبانہ چشمک (دوستی نما دشمنی اور دشمنی نما دوستی) صرف بحوالہ محبوب نظر آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے غالب نے رقیب کا غیر متحرک اور مجہول کردار معشوق کے کردار کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ گویا 'رقیب' تکملہ ہے معشوق کا۔ دونوں میں مماثلتیں بھی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً دونوں میں ظلم کی صفت کم و بیش یکساں نظر آتی ہے۔ (۲۵) یکسانیت اور مماثلت سے ایک قدم آگے، بسااوقات رقیب معشوق کا نعم البدل بھی بن جاتا ہے تو کبھی دونوں کردار آپس میں مدغم ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں تکلف برطرف! مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

اس شعر میں رقیب کو معشوق میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے ایک دوسرے شعر میں بوسے کے ذائقے کا ذکر ہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے ذائقہ لب و عارض سے واقف ہوتا ہے نہ کہ رقیب کے ذائقہ عارض سے۔ (۲۶) اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر درج ذیل شعر ملاحظہ ہو:

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

اسلوب اور زبان و بیان کی سطح پر بھی کلام غالب میں مذکورہ روش کو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ لفظ رقیب کلامِ غالب میں تصور وصالِ یار، تصور قرب یار، حسن محبوب اور اس کی شوخی کو بیان کرنے کے جواز کی صورت طور پہ آتا ہے یا ایسے مواقع کا اشاریہ بنتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

بغل میں غیر کی، آج آپ سوتے ہیں کہیں، ورنہ سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

یہاں شوخ 'تبسم ہائے پنہاں' کی امیجری غیر یا رقیب کے بغیر ادھوری رہ جاتی۔ اسی طرح معشوق کے شرمانے کی ادا، ذکر غیر یا ذکر رقیب کے بغیر تشنہ رہ جاتی:

غیر کو یارب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

یا پھر محبوب کی ایسی بزم آرائیوں جس میں رقیب کی بھی موجودگی ہو، کی خبریں سن کر "نقش مدعائے غیر" کی تشبیہ کے بغیر یہ شعر بے مزا رہ جاتا:

اس کی بزم آرائیاں سن کر دلِ رنجور، یاں مثلِ نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

یہاں اس نکتے کا ذکر بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنے مکمل دیوان میں تقریباً پچاس بار 'رقیب' یا 'غیر' کا استعمال کیا ہے جن میں سے کم از کم پانچ بار رقیب کا ذکر محفل کے حوالے سے آیا ہے۔ (۲۷) ایسے دو اشعار اوپر نقل کر چکا ہوں باقی تین اشعار حسب ذیل ہیں:

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یا رب آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحاں اپنا

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

نالۂ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا تھا سپند بزمِ وصل غیر، گو بیتاب تھا

جس طرح سے متعدد اشعار میں معشوق اور رقیب اپنی اپنی حیثیت بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی طرح ایسے شعار کی بھی کمی نہیں، جن میں رقیب اور عاشق کے درمیان یکسانیت اور مماثلت واضح طور پہ محسوس کی جا سکتی ہو۔ مثلاً رسومیات غزل اور تعریف رقیب کے عین مطابق: دونوں ہی ایک ہی محبوب پر فریفتہ ہیں (۲۸)، دونوں کی محبت کم و بیش یکساں ہے (۲۹)، دونوں ہی ازلی و ابدی نامراد ہیں (۳۰)، دونوں ہی بلاشرکت غیر محبوب کو صرف اور صرف اپنا بنانا چاہتے ہیں (۳۱)۔ رقیب اور عاشق کے مابین اس نوعیت کی یکسانیت تو کم و بیش تمام شعرا کے یہاں موجود ہے لیکن ایک ایسی بھی صفت ہے جو غالباً صرف اسداللہ غالب کے 'رقیب' اور 'عاشق' میں یکساں طور پہ موجود ہے۔ وہ ہے دونوں کی شیریں بیانی اور جادو بیانی۔ غالب کے مطابق رقیب بننے کے عمل میں جتنا دخل حسن محبوب کا

ہے کم و بیش اتنی ہی اہمیت 'بیانِ غالب' کی بھی ہے، نیز اسی 'اندازِ بیان' یا 'شیریں بیانی' کا فائدہ اٹھا کر رقیب محبوب کو عاشق سے برگشتہ کر دیتا ہے:

ذکر اس پری وش کا ، اور پھر بیاں اپنا — بن گیا رقیب آخر ، تھا جو رازداں اپنا
ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر — عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

کرداروں کی یکساں صفات اور ان میں مماثلت سے قطع نظر بعض مقامات پر رقیب اور عاشق اپنی اپنی حیثیت تبدیل کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یا کم از کم قاری کو اس نوعیت کے شک میں مبتلا کر دیتے ہیں۔غزلیہ کرداروں کی یہ باہمی تبدیلی غالب سے مختص ہے:

میں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی" — سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں؟
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی — بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

مختصراً یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ، اوّل: غالب نے 'رقیب' کا استعمال جذبہ رقابت (عداوت) ظاہر کرنے کے بجائے حسنِ محبوب، محفل محبوب کی نیرنگیوں، محبوب سے اظہارِ محبت کے لیے استعمال کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں غالب کے یہاں 'رقیب' کا تصور سیاہ ہے، یا یوں کہیے کہ کچی مٹی سے بنا ہوا یہ کردار ایسا ہے جس میں نمی ہنوز باقی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً عادات و اطوار کے علاوہ اپنی شکل و صورت بھی تبدیل کرتا رہتا ہے جب کہ معاصرین غالب اور ماقبل شعرا غالب کے یہاں پکی مٹی سے وضع کردہ یہ کردار نسبتاً واضح شکل و صورت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

دوم: کلام غالب میں رقیب کا کردار غیر متحرک اور مجہول ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت محبوب کے کردار کی بھی ہے۔تا ہم یہ کردار رقیب سے توانا ہے، نیز یہ کردار: محبوب، اپنے عاشق (یا شاعر) کے جذبہ عشق کو بیان کرنے کے لیے تراشا گیا ہے، لیکن غالب کا یہ کردار بلکہ غزلیہ کردار غالب کے ذوق نظارہ، ذوقِ جمال، ذہنی تصورات کو پیکروں میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش (۳۲) کے برعکس ذوقِ فکر/ ذوقِ کلام میں کہیں کھوسا جاتا ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذوقِ فکر اور ذوقِ کلام کے مقابلے، ان کی چنداں اہمیت نہیں۔ ہاں جہاں کہیں اپنے کلام میں انھوں نے سادگی سے کام لیا ہے وہاں جذبہ عشق یا خواہشات اور تمنائیں بہتر اور کامیاب امیجز بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس کامیابی کا جواز یہ ہو سکتا ہے کہ سادگی خلوص کو جلا بخشتی نیز اس میں نکھار لاتی ہے۔اسی لیے ایسے اشعار میں عاشق کا کردار بھی قدرے توانا محسوس ہوتا ہے۔

سوم: امرا اور روسا کے درباروں اور محلوں سے نکل کر غزل نے جب عوام کے درمیان پذیرائی حاصل کی تو رقیب کا تصور ہی تقریباً ناپید ہو جاتا ہے۔ ہاں! فیض اور اس قبیل کے مزاحمتی و احتجاجی شعرا نے اس لفظ کو باندھا، لیکن ایسے شعرا کے یہاں رقیب کے معانی و مفہوم ہی بدل جاتے ہیں۔اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جاگیردارانہ تہذیب کے بعد، متوسط طبقہ کو اس لفظ کی ضرورت ہی نہیں رہی اور متوسط طبقہ اور معاشرہ کے ساتھ ساتھ ہماری غزلوں سے یہ کردار غائب ہو گیا۔

حواشی وحوالہ جات:

(۱) محمد رؤف، تحقیق وتنقید، مشمولہ **اردو ریسرچ جنرل**، فیصل آباد: شمارہ نمبر ۵، اپریل تا جون ۲۰۱۵ء

(۲) دعوۂ عشق بتاں سے بہ گلستاں گل وصبح   ہیں رقیبانہ بہم دست وگریباں گل وصبح

(۳) فارسی کا مشہور شاعر جس نے قصائد میں مدح سے گریز کرتے ہوئے خالص نسیب/تشبیب/غزل کو رواج دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں طارق ہاشمی، ڈاکٹر، **اردو غزل کی نئی تشکیل**، اسلام آباد: نیشنل فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء

(۴) طارق ہاشمی، ڈاکٹر، **اردو غزل کی نئی تشکیل**، اسلام آباد: نیشنل فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء ص ۱۸

(5) Schimmel, Annemarie, ***A Dance of Sparks***, New Delhi: Ghalib Academy, 2007, P 11.

(۶) سورہ ہود، آیت نمبر ۹۳

(۷) سورہ ق آیت نمبر ۱۸

(۸) سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰

(۹) مروان بن الحکم کے عہد کا نجدی شاعر قیس بن الملوح، ملقب بہ مجنون لیلیٰ

(۱۰) اردو فارسی اور عربی شعرا کے علاوہ پشتو کے مشہور شاعر علی خان اپنے اشعار میں رقیب کو خنزیر اور کتا تک کہا ہے

(۱۱) حسن اور اس پہ حسن ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم   اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

(۱۲) زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن   غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

(۱۳) غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ، اگر   کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے، تو چھپائے نہ بنے

(۱۴) بیان کیا جاتا ہے کہ شدید سردیوں کے موسم میں، ایک دفعہ قیس لیلیٰ کے شوہر ورد کے پاس گیا۔ ورد اپنے قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ قیس نے ورد کو مخاطب کر کے فی البدیہ چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ ہے: تجھے اپنے رب کا واسطہ کیا تو نے صبح ہونے سے پہلے لیلیٰ کو آغوش میں لیا؟ یا اس کا منہ چوما؟ یا اس کی شبنمی زلفیں تجھ پر نازک پھولوں کی طرح لہرائیں؟ جیسے کہ خوشبوئیں اور مشک۔ ورد نے کہا، جب تم نے مجھے قسم دے ہے تو جواب ہے، ہاں! ۔تو مجنوں نے اپنے ہاتھوں سے آگ کو پکڑ لیا اور اسے نہ چھوڑا یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا۔

(۱۵) درپردہ انھیں غیر سے ہے ربط نہانی   ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

(۱۶) تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو   مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

(۱۷) دشمنی نے میری، کھویا غیر کو   کس قدر دشمن ہے، دیکھا چاہیے

(۱۸) ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ   ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

(۱۹) عشق میں بیداد رشک غیر نے مارا مجھے   کشتہ دشمن ہوں آخر، گرچہ تھا بیمار دوست

(۲۰) غیر کی منت نہ کھینچوں گا پے توفیر درد   زخم مثل خندۂ قاتل ہے سرتا پا نمک

(۲۱) جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار   اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

(۲۲) رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے   آئے وہ یاں خدا کرے، پہ نہ خدا کرے کہ یوں

(۲۳) میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے   ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ وتاب میں

(۲۴) مجھے بھی تا کہ تمنا سے ہو نہ مایوسی ملو رقیب سے لیکن ذرا حجاب کے ساتھ

(۲۵) بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

(۲۶) تفصیل کے لیے دیکھیں: حالی، الطاف حسین، یادگارِ غالب، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ص ۱۱۹

(27) For Detail: The book of Brain ***Quayle Silver, The Nobel Science of the Ghazals***, New Delhi: Manohar Publishers, Daryaganj, Pg 150 -161

(۲۸) کتنے شیریں ہیں تیرے لب، ''کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا''

(۲۹) ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

(۳۰) دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا نالہ کرتا تھا، و لے طالب تاثیر بھی تھا

(۳۱) تمھاری طرز و روش جانتے ہیں ہم، کیا ہے رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

(۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قاضی جمال حسین، **جمالیات اور اردو شاعری**، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۱ء
غالب کا ذوقِ نظارہ، ص ۱۵۱